18. M. HABIBUR REHMAN SAHIB,
Hony. Secretary,
Anjuman Taraqqi-e-Urdu,
Himayat Nagar,
HYDERABAD (DECCAN).

تار کا پتہ
"انجمن" علی گڑھ

رجسٹرڈ نمبر ۹۲۳
ٹیلیفون نمبر ۲۹

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

سالانہ چندہ دو روپے | ۲ آنے

نمبر ۱۶	۲۷ ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ	ایڈیٹر۔ قاضی عبدالغفار	۱۵ اگست ۱۹۵۵ء	جلد ۱۳

فراری ذہنیت

اتر پردیش کے ایک ضلع سے وہاں کی شاخ کے سکریٹری صاحب نے مرکز کو ایک پوسٹ کارڈ بھیجا ہے جس کی عبارت حقائق سے فرار اور شکست خوردہ ذہنیت کا ایک بہت ہی حسرت انگیز نمونہ ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"مرکز سے ایک گشتی مورخہ ۵ جولائی موصول ہوئی جواباً عرض ہے کہ شاخ کے سامنے نہ کوئی مصروفیت نہ مرکز کی طرف سے کوئی پروگرام اس لئے نہ کوئی خبر تھی نہ کوئی کارروائی برائے اشاعت۔

اور اب تو صورت حال یہ ہے کہ جب تک اردو کو علاقائی زبان تسلیم نہ کرایا جائے گا ہماری سب کوششیں بے نتیجہ رہیں گی اور ہم اپنی قوت اور وقت کو بے کار ضائع کرتے رہیں گے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہماری شاخیں ترویج و اشاعت اردو کی ناکام کوششیں کر کے تھک سی گئی ہیں۔ اور ایک ایسی کے دور سے گزر رہی ہیں جس کا قطعی نتیجہ بے عملی ہے تاہم ہماری ہمدردیاں اور تعاون پر مکمل اعتماد کیجئے اور کوئی نتیجہ خیز پروگرام مرتب کر کے ہمارا امتحان لیجئے اور بس۔"

ہمارے عزیز دوست کو ابھی تک یہی خبر نہیں کہ کام کا ایک پروگرام مرکز کی طرف سے یا صوبائی شاخ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے اور اس کے لئے اتر پردیش کے اکثر اضلاع میں جد و جہد کی جا رہی ہے اس بچارے کو یہ نہیں معلوم کہ صوبائی شاخ کے نمائندے ہر ضلع میں جا رہے ہیں اور اردو کے کارکنوں کے سامنے نیا پروگرام پیش کر رہے ہیں۔ ان خوش فہم دوست کی رائے میں جب تک اردو کو علاقائی زبان تسلیم نہ کرا لیا جائے گا ساری کوششیں بے نتیجہ رہیں گی اور ہماری قوت اور وقت کو بے کار ضائع کرتے رہیں گے۔ اب ان بزرگ کو کون سمجھائے کہ محض حکومت کی "ہاں" یا "نہیں" پر بھروسہ کر کے خاموش رہنے کے یہ معنے ہیں کہ گویا اردو کی تحریک کی کامیابی کا انحصار صرف حکومتوں کے رحم و کرم پر رہ گیا۔ اگر اردو ان دوستوں کی رائے کے مطابق صرف حکومتوں کے فیصلوں پر منحصر ہے تو پھر یہ زبان اور اس کی تحریک اور اس کے ساتھ اس کے حامیوں کی عزت نفس ختم ہی ہو جائے تو بہتر ہے۔

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردئی ہمسایہ در بہشت

حقائق سے فرار کر کے ہمارے دوست اپنی بے عملی پر یہ کہکر پردہ ڈالتے ہیں کہ انجمن کی شاخیں ترویج و اشاعت اردو کی ناکام کوششیں کر کے تھک گئی ہیں۔ یہ تھکن اور مایوسی خود ہمارے دوست کے دل میں ہے اور یقیناً عوام پر یہ الزام رکھنا زبردستی اور ناانصافی ہے۔

اپنی آسائش پسندی اور بے عملی کے لئے مزید مہلت حاصل کرنے کا ایک بہانہ یہ بھی ہے کہ وہ ہمیں چیلنج کرتے ہیں کہ کوئی نتیجہ خیز پروگرام مرتب کر کے ہمارا امتحان لیجئے۔ اگر نتیجہ خیز پروگرام ہی کی ضرورت ہے تو وہ اتر پردیش کی صوبائی کمیٹی سے رجوع کریں اور یہ معلوم کریں کہ وہ کیا کام کر رہی ہے۔

مختلف اضلاع کے دوروں میں ہزاروں اپنے بچوں کے داخلہ

کا انتظام ... کرنا ہے جن کے لئے تمام دروازے بند ہوگئے ہیں۔ نئے مکاتیب کا قائم کرانا۔ اور ہر جگہ لڑکوں کو گھروں سے نکال کر ان مکاتیب میں بٹھانا یہ عملی پروگرام ہے جو اس وقت صوبائی کمیٹی کے سامنے ہے۔ اب ہمارے دوست بتائیں گے انھوں نے اپنے ضلع میں اس وقت تک کتنے بچے مدرسوں میں داخل کرائے اور کتنے نئے مکاتب قائم کئے۔ اگر ان کی رائے میں یہ پروگرام بھی نتیجہ خیز نہیں تو ہم یہ نہیں جانتے کہ ان کے جوشِ عمل کا امتحان کس طرح لیا جائے! اس قسم کا "جوشِ عمل" درحقیقت ایک فریبِ نفس ہے جو دوسروں کے بہکانے کے بجائے خود سخن ساز ہی کو بے نقاب کر دیتا ہے۔

ہم نے زیرِ نظر مراسلہ پر چند باتیں سخت اور تلخ بھی کہیں لیکن کبھی کبھی تو مرض کی رعایت سے مریض کو کڑوی دوا پلانی ہی پڑتی ہے۔ یہ وہ ضلع ہے جہاں جنرل سکریٹری نے خود جاکر دو دفعہ انتخابات کرائے اور یہ امید کی کہ وہاں کچھ کام ہوگا لیکن ہر دفعہ صدر اور سیکریٹری کے عہدوں کی کشمکش میں اصل مقصد گم ہوگیا۔ یہ حال اضلاع کی بعض دوسری شاخوں کا بھی ہے اب صوبائی کمیٹی ان حالات کی کس طرح اصلاح کرے گی اس کا انتظار ہے۔

خواجہ حسن نظامی کی وفات

[illegible] سید انعام اللہ کاظم

قلم کار خواجہ حسن نظامی اردو زبان کے صاحبِ طرز انشا پرداز، ممتاز ادیب اور بہت بڑے قلم کار تھے۔ ان کے انتقال کی وجہ سے سب سے زیادہ نقصان اردو زبان اور ادب کو پہونچا ہے۔ اس لئے غم ان کی موت کا نہیں ہے۔ عظیم ترین صدمہ اس کا ہے کہ ان کے ساتھ دلی کی زبان، دلی کی تہذیب اور ادب و انشا کا بیش بہا خزانہ دفن ہوگیا۔ ہندوستان کی تاریخ شاید پھر ایسے جامع کمالات پیدا نہیں کرے گی۔

۳۱ جولائی کی شام کو سات بجکر ۵۰ منٹ پر ۷۷ سال کی عمر میں مرحوم نے اپنی رہائش گاہ حضرت نظام الدین میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ موصوف کو حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی چھ سو سالہ پرانی درگاہ کے تاریخی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ پس ماندگان میں ان کی بیوہ، پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔

مرحوم ۱۸۷۸ء میں دلی میں پیدا ہوئے ۵ سال کی عمر میں موصوف کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا۔ یتیمی کا زمانہ انتہائی کس مپرسی کے عالم میں گذرا۔ لیکن علم و کمال کے شیدائی خواجہ صاحب نے مستقل مزاجی اور مسلسل جد و جہد سے کبھی بھی منہ نہ موڑا۔ ابتدائی زندگی دلی کی سڑکوں اور گلیوں سے شروع ہوئی۔ جہاں وہ کتابیں فروخت کیا کرتے تھے لیکن عمر کا آخری حصہ شاہانہ اور کامیاب گزرا۔

سنہ ۱۹۰۸ء میں خواجہ صاحب نے حضرت نظام الدین اولیا کے مشن کو پورا کرنے کے لئے ہندو مسلم میل ملاپ کا کام شروع کیا اور اس سلسلے میں ہند کے بیشتر مقامات کا دورہ بھی کیا جہاں ہندو فلسفیوں اور صوفیوں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ اس دورہ کی واپسی کے بعد انھوں نے اپنے سفر کے تمام حالات ایک کتابچہ کی شکل میں شائع کیا۔

سنہ ۱۹۱۱ء میں خواجہ صاحب مصر، فلسطین، شام اور حجاز کے دورے پر روانہ ہوئے۔ اس دورے سے واپس آکر موصوف نے جو سفرنامہ شائع کیا وہ بہت مقبول ہوا اور اس کی ہزاروں جلدیں فروخت ہوئیں۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد خواجہ صاحب پر سیاسیات کے سلسلے میں حکومت نے کچھ پابندیاں عائد کردیں اور ان کی نگرانی کی جانے لگی۔ خواجہ صاحب نے سوامی شردھانند کی تحریک شدھی کی بھی پرزور مخالفت کی۔ اس سلسلے میں ۱۰ جنوری ۱۹۲۸ء میں خواجہ صاحب پر نظام الدین میں گولی چلائی گئی لیکن وہ بچ گئے اور ان کے خسر صاحب بڑی طرح مجروح ہوئے۔

خواجہ صاحب تقریباً پانچ سو کتابوں کے مصنف و مولف تھے۔ ان تصانیف میں سے نمایاں خواجہ صاحب کا ہندی ترجمہ کلام پاک۔ سفرنامہ مصر و حجاز۔ یوگ بششٹ۔ سوانح رام چندر جی اور کرشن جی وغیرہ ہیں۔

موصوف کی بیشتر تصانیف ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور لائقِ مطالعہ ہیں۔ اپنے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے خواجہ صاحب نے کئی اخبار اور رسالے بھی نکالے تھے اور بہت سے اچھے لکھنے والوں کو بھی انھوں نے اپنا حلقہ بگوش بنالیا تھا۔

آج بھی ایک رسالہ "منادی" کے نام سے شائع ہو رہا ہے جس کے ایڈیٹر خواجہ صاحب کے صاحبزادے ہیں اور خواجہ صاحب کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔

ہلکے ہلکے اشارے

——— اعظم گڑھ۔ ۷ جولائی۔ یوپی ایجوکیشن بورڈ کے قانون کے مطابق آئندہ ہائی اسکولوں میں ہر لڑکے کے لئے ہندی لازمی قرار دی جا چکی ہے۔ فطری طور پر مسلمان لڑکے اردو ضرور لیتے ہیں۔ ہائی اسکول کے بعد اردو لینے والے لڑکوں کے لئے شبلی نیشنل کالج کا دروازہ قطعی بند کر دیا گیا ہے کیونکہ کالج کے ٹائم ٹیبل کے مطابق اردو ہندی کے لئے ایک ہی گھنٹہ ہے۔ چاہے آپ اردو پڑھیں یا ہندی۔ ہندی چونکہ لازمی ہے اس کے چھوڑنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اردو چھوڑی جا سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے ٹائم ٹیبل کا قدرتی اثر لڑکے اور ان کے والدین پر پڑے گا کہ اگر اردو عزیز ہے تو شبلی کالج کو خیرباد کہیں۔ اور کالج پیارا ہے تو اردو کو ہمیشہ کے لئے اپنے ہاتھوں سے دفن کر دیں۔ یہ حال آج اس ادارے کا ہے جس کے بانی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ شبلی نے اردو کو بنایا سنوارا ہے۔ لیکن آج جن ہاتھوں میں کالج کی باگ ڈور ہے۔ ان کے سامنے ٹائم ٹیبل ہی مقدم ہے۔ وہ اردو کو شبلی مرحوم کی بغل میں دفن کر دیں گے۔ مگر ٹائم ٹیبل میں اردو بدلنا ممکن ہے۔

——— سرکار کی لگائی ہوئی شرطوں کا لازمی نتیجہ ہر جگہ یہی ہو رہا ہے۔ کہیں اردو کا راستہ روکنے کے لئے دیوار بنائی جاتی ہے کہیں خندق کھودی جاتی ہے۔ اور غلغلہ یہ ہے کہ اتر پردیش سرکار کی پالیسی اب بہت بدل گئی ہے!

——— حال ہی میں ڈاکٹر سمپورنانند چیف منسٹر کے چھوٹے بھائی شری پرکاش پورنانند کے متعلق اردو اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ انھوں نے کسی اجتماع میں کہا کہ وہ اردو کے متعلق اپنے بڑے بھائی کی رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ تمام اردو اخباروں نے اپنے گھر میں ڈھول ڈال لئے اور اس خبر کا ایک غلغلہ بلند ہو گیا کہ چیف منسٹر کے چھوٹے بھائی ان کے خیالات سے روگرداں ہیں! زہے قسمت! اردو کے لئے یہ کتنی بڑی فتح مبین ہے!

——— لیکن چند ہی روز بعد سری پرکاش پورنانند کا تردیدی بیان شائع ہو گیا کہ انھوں نے کوئی ایسی بات کبھی کہی ہی نہیں تھی! بلکہ انھوں نے تو یہ کہا تھا کہ چیف منسٹر کی پالیسی اردو کی مخالف نہیں ہے۔ اور اس کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پیدا کر دی گئی ہیں! لیجئے یہ بلبلہ بیٹھ گیا۔

——— ہم نے اس واقعہ کا ذکر اس لئے کیا کہ ہمارے معاصرین کی عادت ہو گئی ہے کہ جہاں بھی کوئی چھوٹی موٹی خبر ہاتھ لگی وہ اس کو لے اڑے "اردو کی جیت" کا ایک جھنڈا بلند ہو گیا! اتنی اہم تبلیغ کو اپنے پروپیگنڈے کا ذریعہ بنا لینا، فکر و نظر کی کسی گہرائی کا پتہ نہیں دیتا۔ بات بات پر تالیاں بجانے کی عادت طفلانہ ہے۔ اس میں بعض اوقات جھوٹ بھی بولنا پڑتا ہے۔ جس کا پردہ جلد چاک ہو جایا کرتا ہے۔

——— یوپی اودھیا پک منڈل کے سہارنپور استقبالیہ کمیٹی کے صدر صاحب پریزیڈنٹ ڈسٹرکٹ بورڈ سہارنپور نے منڈل کے سالانہ جلسے میں جو خطبہ پڑھا اس کی عبارت کے چند ٹکڑے نمونتاً حاضر ہیں۔

——— "حضرات! متصف الصفات میں خشک دہان مقطوع اللسان کس زبان سے ضلع سہارنپور کے مدرسین کا تشکرات بیمانہ ادا کروں جنھوں نے ...... میری قوت عملی اور مجلسی کو بیدار کیا .... یہ ضلع کوہ شدالک کا شاندار تاج پہنے بلند و بالا کوہ ہمالیہ کے سایہ رحمت و برکت میں محفوظ و مامون ہے ......"

——— عجیب! کیا کوئی ایسی زبان بھی ہماری ریاست اتر پردیش میں بولی جاتی ہے؟

——— ڈسٹرکٹ بورڈ کے سپاسنامہ کے بھی چند الفاظ ملاحظہ کیجئے!

"........ آج ہم ناچیز ذروں کے درمیان ایک آفتاب عظمت و جلالت کا آفتاب، مجالست، مساوات و شرافت اور التفات و رحمت کا آفتاب ...... "

——— یہ بدیشی اور پاکستانی زبان ہمارے دیس میں بنا و بجد!!

——— جی ہاں! اودھیا اردو جس کی تعلیم پر لکھنؤ یونیورسٹی فخر کرتی ہے اور جو پوری آزادی کے ساتھ تاشقند میں بولی اور لکھی جاتی ہے اور جس سے خطرہ نہیں ہے کہ وہ روسی کلچر کو ہضم کر جائے گی۔

مگر لکھنؤ یونیورسٹی کو یہ خطرہ لاحق ہے کہ اگر اردو کے قدم جم گئے تو ہندی کلچر کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ بس تفریق اور کس کو کہتے ہیں ـــ ؟

اردو کیا ہے اور کیوں ہے؟

بٹوارے سے پہلے ہندوستان میں اردو کی کیا حالت تھی

اس کا کیا مقام تھا؟ یہ باتیں کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ کیا بٹوارے سے پہلے بھی آج کی طرح اردو ایک بدیسی زبان سمجھی جاتی تھی یا دیسی۔ اگر اردو دیسی زبان سمجھی جاتی تھی تو پھر تقسیم ہند کے بعد اسے ٹھوکر اپار کے راستے کیوں جلا وطن کر دیا گیا؟ اسے مخصوص فرقے کی حد تک کیوں محدود کر دیا گیا؟ سمجھ میں نہیں آتا جو زبان آزادی سے پہلے سارے ہندوستان کی قومی زبان کہلاتی تھی اور جو ہندوستان کی ساری قوموں اور جاتیوں کے درمیان تبادلۂ خیالات کا واحد ذریعہ تھی۔ اسے تقسیم کے بعد یہ کہکر ہندوستان سے نکال دیا گیا کہ "اردو نے پاکستان بنایا۔ اب اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ سیکولر ہندوستان میں باقی تک رہے۔" داوری اردو! تعجب ہے تیری مخالفت پر، تو نے کب پاکستان بنایا؟ کیا تو نے قیام پاکستان میں حصہ لیا یا نہیں؟ تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان کی ایک سو سالہ جد و جہد آزادی میں پیش پیش اگر کسی زبان نے حصہ لیا ہے تو وہ اردو اور صرف اردو ہی ہے۔ میں اُن واقعات کو آپ کے سامنے پیش کرنا نہیں چاہتا کہ مغربی علوم و فنون کی ہندوستان میں اشاعت و فروغ میں اردو کا کیا حصہ تھا؟ ہندوستان میں اگر کسی صحافت نے سب سے پہلے تحریک آزادی کی شمع کو روشن کیا تو وہ اردو صحافت ہی ہے۔ اردو اخباروں نے پہلی بار ہندوستانیوں کو یہ بتایا کہ انگریز کے ہاتھوں، گندم نما جو فروش کے ہاتھوں، ان کی خودداری ان کے قومی وقار، ان کے ایثار اور جذبات کی قربانیاں ہو رہی ہیں۔ اس پر انگریز کا کلیجہ کباب ہو کر رہ گیا۔ اس نے ہندوستانیوں میں بڑھتے ہوئے قومی جذبے، امنگ آزادی کی آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

آزادی کی اس تحریک کے بڑے بڑے جلسوں میں جو زبان استعمال کی جاتی تھی وہ تو انگریزی ہی تھی۔ لیکن عوامی اجتماعات میں لیڈر اور مقررین اس بات پر مجبور ہو جاتے تھے کہ اردو میں تقریر کریں جو ہندوستان کے اس کونے سے اس کونے تک کہیں بھی سمجھی جاتی بھی اور بولی جاتی تھی۔ تقسیم کے بعد ایک نئی چال چل کر اسے "پاکستانی" کا نام دیا گیا، اور ہر اس شخص کو جو اردو بولتا ہے یا وہ کہاں کا ہے ہندوستان کا، "پاکستانی" کہا گیا۔ حالانکہ نہ اردو "پاکستانی" ہے اور نہ ہی اردو بولنے والا "پاکستانی" کہلایا جا سکتا ہے۔ اگر اردو پاکستانی ہوتی تو پریم چند، چکبست، پنڈت نہرو، کرشن چندر، فراق گورکھپوری اور کئی دوسرے حضرات ہندوستانی نہ ہوتے۔

مشرقی پاکستان میں اس کی دال جوتی میں نہ بٹی۔ اردو کے متعلق دوسرا نظریہ کہ "یہ مسلمانوں کی زبان ہے"۔ کبھی صحیح ہو نہیں سکتا کیونکہ اگر یہ مسلمان کی زبان ہوتی تو قرآن اردو میں اترتا۔ عرب ممالک کی یہ قومی زبان ہوتی، انڈونیشیا جہاں کروڑوں مسلمان ہیں ان کی سرکاری زبان انڈونیشی نہ ہوتی۔ اگر یہ مسلمانوں کی زبان ہوتی تو کل وہ پچاس الفاظ میں سے ۴۰ ہزار خالص سنسکرت پراکرت اور ہندی کے نہ ہوتے۔ کس قدر جہالت عارفانہ ہے۔ اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودی جا رہی ہے اس ڈال کو کاٹا جا رہا ہے جس پر خود سوار ہیں۔ ایک تو زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اردو کا کوئی مذہب ہے تو اس میں کوئی بات ایسی پائی نہیں جاتی جس سے اس بات کا پتہ چلے کہ مسلمانوں کی زبان ہے۔ اگر یہ مسلمانوں کی زبان ہوتی تو عرب کے مسلمان عربی، ایران کے مسلمان فارسی، افغانستان کے مسلمان پشتو، روس کے مسلمان تاتاری اور روسی، مشرقی پاکستان کے مسلمان بنگالی، انڈونیشیا کے انڈونیشی، پنجاب کے پنجابی، اور مہاراشٹر کے مراٹھی نہ بولتے ہوتے۔ اردو کی تعمیر و ترقی میں نہ صرف مسلمان بلکہ ہندوستان کی تمام جاتیوں نے برابر کا حصہ لیا ہے چونکہ ہندوستان کا اکثریتی طبقہ ہندو ہے اسی لئے اس کی ترقی اور تعمیر میں ہندوؤں نے مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ اگر اردو مسلمانوں کی زبان ہوتی تو مہاتما گاندھی جی جیل میں اردو نہ سیکھی ہوتی۔ جناح (قائد اعظم) اردو کے عالم اور انشا پرداز ہوتے۔ پنڈت جی اردو کے بہت بڑے عالم نہ ہوتے۔

یہ خیال کہ اردو "پاکستانی" ہے ایک ڈھکوسلا ہے کیونکہ جب یہ بات مان لی گئی ہے کہ پاکستان غیر منقسم ہندوستان کا ایک حصہ ہے اور آج بھی "اکھنڈ بھارت" کا نعرہ بلند ہوتا ہے تو کوئی معنی نہیں کہ پاکستان ایک الگ ملک کہلائے۔ ہاں سیاسی حیثیت سے الگ ہو سکتا ہے لیکن طبعی اور اقتصادی حیثیت سے پاکستان ہندوستان ہی کا جزو ہے۔ اردو صرف ہندوستان اور پاکستان

ہی کی حد تک محدود نہیں بلکہ یہ ہر اس ملک کی زبان ہے جہاں اس کے سمجھنے اور بولنے والے کافی تعداد میں موجود ہیں۔ ملایا، جنوبی افریقہ، سیلون اور برما کے علاقوں میں بھی اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اگر پاکستان یا کسی دوسرے ملک نے اسے اپنا لیا ہے تو یہ اس کی اپنی خوش قسمتی ہے جس نے مشترکہ قومیت کے سرمائے کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

ہر اچھی چیز کو کوئی بھی چاہتا اور پسند کرتا ہے کسی کی چاہت اور پسند کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ وہ چیز اپنا اصل مقام کھو دے چنانچہ اسی سلسلے میں دنیا کے امن پسند لیڈر، ہندوستان کے وزیر اعلیٰ پنڈت نہرو نے حال ہی میں کہا ہے۔

"اردو، ہندوستان میں پیدا ہوئی، یہیں پلی بڑھی۔ اس زبان میں ملک کا بہت بڑا سرمایہ محفوظ ہے۔ اسے پاکستان کو تحفے کے طور پر نہیں دیا جا سکتا۔"

آج کل پورے ہندوستان میں "اردو دشمنی" کی جو مہم چلائی جا رہی ہے وہ محض سنسکرت پرستی کا نتیجہ ہے۔ سنسکرت پرستوں نے ہر چند اس بات کی کوشش کی کہ سنسکرت "راشٹر بھاشا" بنے لیکن جب وہ اس ارادے میں ناکام رہے تو انھوں نے ایک نیا ڈھونگ رچایا اور جہاں تک ہو سکا اس بات کی کوشش کی کہ ہندی کو "سنسکرت نما" بنایا جائے۔ کیونکہ سنسکرت پرستی کی پیاس کو بجھانے کا یہی ایک ذریعہ تھا۔ اس کے نتائج کیا ہو رہے ہیں۔ وہ ہر ذی ہوش انسان کی سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ ہندی کو جو قومی زبان ہے مشکل سے مشکل بنایا جا رہا ہے۔ ٹکسالی اور عوام کی زبان سے اسے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ وہ لوگ جو ہندی کو مادری زبان (ماتری بھاشا) بولتے ہیں، بخوبی سمجھ نہیں سکتے۔ ہندی میں پہلے کی سی جو مٹھاس، گھلاوٹ اور جاذبیت تھی وہ باقی نہیں رہی۔ ہاں تو اصل بات جو کہنی تھی وہ یہ کہ ہندوستانی کو جو اردو اور ہندی کی بنیادی صورت ہے مٹایا جا رہا ہے۔ اب ہندی کو "سنسکرت نما" بنائی جا رہی ہے اور اردو کو دیس نکالا جا رہا ہے۔ کیونکہ یہی ٹکسالی اور بازاری زبان ہے لیکن یاد رکھنا کوئی چیز مٹانے سے نہیں مٹتی۔ بلکہ اس میں پہلے سے بھی زیادہ جان اور تقویت آ جاتی ہے۔

فرقہ پرستوں نے اردو کی مخالفت کے ڈھونگ نکالے انھوں نے سوچا کہ ایک قومی زبان کی حیثیت سے تو اس کا مٹانا مشکل ہے۔ اسی لیے انھوں نے اس کے مٹانے کی ایک آسان چال چلی اور یہ کہنا شروع کیا کہ "اردو خالص مسلمانوں کی زبان ہے" اور اردو کے حامیوں کو ہندی کا دشمن ٹھہرایا۔ حالانکہ اردو کا کوئی حامی ہندی کا دشمن ہو نہیں سکتا کیونکہ

HINDI IS THE MOTHER OF URDU

اس سے ہٹ کر بھی غور کیا جائے، سوچا جائے تو قومی زبان سے مخالفت .... دستور سے دشمنی اور عدول حکمی، قوم سے غداری اور وطن دشمنی ہے، لیکن جب دستور نے ہندی کے ساتھ ہی ساتھ دوسری زبانوں کو بھی مسلمہ قرار دیا ہے اور ان کی بقا اور تحفظ کی ذمہ داری لی ہے؟ تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایک مسلمہ زبان اردو کے ساتھ مخالفت کی جائے، سارے ملک میں اس کی مخالفت کا بیج بو دیا جائے۔ کیا یہ صریحاً دستور سے خلاف ورزی نہیں ہے؟ کیا یہ خیال وطن دشمنی اور قوم فروشی نہیں ہے؟؟ کیا دستور کی چھری ہی سے دستور کو نہیں کاٹا جا رہا ہے؟؟ کیا آئین ہند کے خلاف نعرے لگانے والوں کو پاکستانی نہیں کہا جاتا؟؟ یا پاکستانی کہا جاتا ہے تو کتنے جائز مطالبات پر ڈٹنے والوں کو۔ اتر پردیش میں دستور کے مطابق ۲۰ لاکھ دستخطوں کے لینے اور اردو کو علاقائی زبان تسلیم کرائے جانے پر لڑنے والوں کو پاکستانی کہا جاتا ہے۔ کیا اپنا جائز حق مانگنے والے پاکستانی ہیں یا دستور سے انحراف کرنے والے پاکستانی ہو سکتے ہیں۔ کیا اتر پردیش میں جہاں لاکھوں آدمی اردو بولتے اور سمجھتے ہیں اور جو اردو کی جنم بھومی ہے اردو کو ثانوی علاقائی زبان کا درجہ نہیں دیا جائے گا۔ کیا ہمارے راشٹرپتی دستور کی دفعہ کے مطابق جو حق انھیں حاصل ہے، اب بھی اردو کے بارے میں اسے استعمال نہیں کریں گے؟؟ کیا ہندوستان کی سیکولر لیڈر شپ اور جمہوری حکومت ایک خاموش تماشائی کی حیثیت سے اردو کا تماشا دیکھتی رہے گی یا اس کے سلسلے میں کوئی کارروائی کرے گی۔ اتر پردیش میں اردو کے وجود سے انکار۔ دہلی میں اس کی مخالفت، میسور، حیدرآباد اور پنجاب میں اس سے دشمنی کے زندہ واقعات کو دیکھ کر بھی ہماری سیکولر حکومت کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی؟ کیا دلی اردو کا گہوارہ نہیں جہاں آج بھی اردو اوڑھنا بچھونا ہے۔ وہاں سے اردو کو نکالا جا رہا ہے۔ میسور میں وہاں کی سرکار نے بڑے فخر سے اس بات کا اعلان کیا کہ "ریاست میں جو ایک ہزار اردو پرائمری اسکول ہیں انھیں بند کر دیا جائے گا۔ کیونکہ ان سے علیحدگی پسند حالت کی تقویت ہوتی ہے" کیا یہ اردو دشمنی نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر اردو علاحدگی پسند رجحانات پھیلاتی تو مشترکہ قومیت کے تہذیبی اور تمدنی خیالات کا جو سرمایہ اردو میں موجود ہے وہ نہ ہوتا۔ کیا ہماری مرکزی حکومت CENTRAL GOVERNMENT اس طرف

کوئی توجہ بھی کرے گی یا نہیں۔

غور کیجئے۔ ٹھنڈے دل سے سوچئے۔ حال ہی میں حیدرآباد اسمبلی میں کسی ممبر نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہماری ریاست میں اردو نام کی کوئی زبان نہیں۔، کتنا کھلا ہوا اعتراف شکست ہے اس ریاست میں اردو کے وجود سے انکار کیا جا رہا ہے۔ جہاں پر عوامی زبان اردو ہے۔ جو ریاست کے کونے کونے میں بولی اور لکھی جاتی ہے۔ آندھرا میں مدراس میں غرض ہر جگہ اس کی مقبولیت کو دیکھ کر اس کی مخالفت کی جا رہی ہے۔

اردو کی اس مخالفت کا ایک ہی سبب ہے وہ یہ کہ اسے مسلمانوں کے مخصوص طبقے سے منسوب کر دیا گیا ہے اور اس طرح مسلمانوں کی مخالفت کا ذریعہ اردو کو بنا لیا ہے۔ حالانکہ یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر مسلمانوں نے اپنی کتابوں کا ترجمہ اردو میں کر لیا ہے تو کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ ہندو۔ عیسائی اور پارسیوں کی مذہبی کتابوں کے ترجمے بھی اردو میں ہو چکے ہیں۔ رامائن، مہابھارت، بھگوت گیتا اردو میں موجود ہے۔ عیسائی مذہب کی تبلیغ بھی اردو میں ہو رہی ہے رسول نمبر، عید نمبر کے ساتھ ساتھ۔ دیوالی ایڈیشن، دسہرہ ایڈیشن بھی اردو میں ہی نکلتے ہیں۔ پھر اردو مسلمانوں کی زبان کیسے ہوئی زبان تو خیالات کے اظہار کا ذریعہ ہے، اور ممکن ہے۔ اس ذریعے کو کوئی بھی استعمال کرے۔ اس ذریعے کو استعمال کرنے والوں ہی کے نام سے موسوم کر دینا سچائی اور صداقت سے گریز ہے۔ ہم اپنی سیکولر حکومت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اترپردیش میں، پنجاب میں، اور دہلی اور حیدرآباد میں اردو کو وہ حق دیا جائے جو وہ مانگتی ہے۔ جو اس کو تقسیم سے پہلے حاصل تھا۔ ہم اپنی حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اردو کے ساتھ دشمنی کرنے والوں کے خلاف باضابطہ کارروائی کرے اور انھیں قوم فروش۔ وطن دشمن قرار دے۔ کیونکہ دستور کی مسلمہ زبان سے مخالفت دستور سے انکار ہے۔ یہ وہ گناہ ہے جس کی کوئی معافی نہیں۔ یہ وہ نقصان ہے جس کی کوئی تلافی نہیں۔ جب دستور کی دفعات کی رو سے سب کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر ہندوستان کی کسی ریاست کے لوگ اس ریاست کی کسی زبان کو علاقائی بنانا چاہیں تو بنا سکتے ہیں۔

اردو میں ایک خاص لچک اور جاذبیت ہے۔ یہ زبان دنیا کی کسی بھی زبان کے الفاظ کو بآسانی اپنے میں جذب کر لیتی ہے اور اس طرح کہ جیسے دودھ اور پانی مل جاتے ہیں۔ اردو کی مخالفت کے باوجود اس کی بے پناہ مقبولیت کو دیکھ کر بمبئی کے کسی ادیب نے خوب کہا ہے۔

"ایک بچی ہمارے گھر میں پیدا ہوئی۔ یہیں پرورش پائی اور جوان ہوئی۔ تعجب ہے اس امر پر کہ یاروں نے اسے بھگایا اور ہم تماشا دیکھتے رہے"

یہ سارے واقعات جو اردو کے ساتھ پیش آ رہے ہیں اور وہ پرجوش اور دلیرانہ ان مصائب کا مقابلہ کر رہی ہے اردو ہمیشہ مصائب اور تکالیف کا شکار ہوئی۔ لیکن اس نے ان مصیبتوں کے دامن کو ہمیشہ چاک کیا ہے۔ اس نے اپنی مخالفت کے بھانڈے کو پھوڑ دیا ہے۔ اتنی مخالفت کے باوجود اس کی ہمہ گیر مقبولیت فرقہ پرستوں کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ نہیں تو اور کیا ہے؟

(غلام صمدانی شاہین حیدرآبادی)

غازی پور میں اردو کی تحریک

گرامی نامہ مورخہ ۵ جولائی موصول ہوا۔ یادآوری کا شکریہ۔ غازی پور میں انجمن کی شاخ گزشتہ سال قائم ہوئی تھی گو کہ شاخ کے قیام سے پہلے اردو کی بقاء و تحفظ کے لئے انفرادی طور پر جدوجہد جاری تھی لیکن باقاعدہ کمیٹی قائم اور مرکز سے الحاق ہو جانے کے بعد ہی کام منظم پیمانے پر ہونے لگا ہے۔ انجمن کی "دستخطی مہم" میں ہمارے ضلع نے نمایاں حصہ لیا تھا اور اب "اسکول مہم" کی کامیابی کے لئے ہم تمام کارکنان انجمن کوشاں ہیں۔ شہر کے علاوہ دیہاتوں میں بھی اسکولی مہم کا کام ہو رہا ہے۔ وقتاً فوقتاً دفتر کو اپنی کمیٹی کی کارگزاری اور سرگرمیوں کی اطلاع دیتا رہا ہوں۔

پرائمری، جونیر اور ہائی اسکولوں میں اردو کی تعلیم رائج کرانے کے بارہ میں میں نے اپنے حقیر تجربات کی روشنی میں چند مشورے پیش کئے تھے اور اخبارات میں مضمون بھی شائع کرائے تھے صورت حال یہ ہے کہ پرائمری اسکولوں میں بدقت تمام اردو جاری ہو جاتی ہے مگر مدرسین اور سرپرست غیر مطمئن ہی رہتے ہیں سرپرست تو پروپیگنڈے اور اردو کے دشمنوں کے خطرناک رویہ سے متاثر ہیں۔ لیکن مدرسین جو تعلیم کے ذمہ دار ہیں۔ ہر موقع پر محکمہ تعلیم کے حکم اور سرکلر کے منتظر رہتے ہیں پھر انسپکٹر اور ڈپٹی انسپکٹر رخنہ اندازی کرتے ہیں جیسے مدرس یا انسپکٹر سے گفتگو کیجئے وہ فوراً یہی سوال کرتا ہے کہ جونیر ہائی اسکول میں اردو کے لئے گنجائش نہیں ہے پھر آپ لوگ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہم گورنمنٹ کی جدید

پالیسی اور سرکلر کا حوالہ دینے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر پرائمری اسکول تک ہی تعلیمی سلسلہ محدود ہوتا تو فکر کی بات نہ تھی ——— دیکھنا یہ ہے کہ پانچویں درجہ کے بعد بھی اردو کے لئے گنجائش ہے یا نہیں ——— میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جونیر ہائی اسکول میں اردو کے لئے ذرہ برابر گنجائش نہیں رکھی گئی ہے جن مدرسین کے دلوں میں اردو کا کچھ بھی درد ہے وہ بہ حالت موجودہ کوئی قدم اٹھاتے ہوئے ہچکچاتے ہیں کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے پرائمری میں بچوں کو اردو میں تعلیم دی تو وہ جونیر ہائی اسکولوں میں داخل نہیں کئے جائیں گے۔

ایک کارکن زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہے کہ اسکولوں میں اردو رائج کرا دے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے ہیڈ ماسٹروں نے فارم لینے کے بعد بھی اردو کی تعلیم نہیں شروع کی ہے۔ اول تو عام طور سے مدرسین فارم وغیرہ کی اہمیت ہی محسوس نہیں کرتے کہنے سننے کے بعد کچھ خیال آیا بھی تو کارکن کے سامنے سو اعتراضات اور دقتیں پیش کر دیں، ایک طرف کارکن کو پریشان کیا تو دوسری طرف سرپرست کو ورغلایا گیا اس پر بھی نہیں، لڑکوں کو الگ دھکا دیا گیا۔

ایسے مدرسین اپنی تعلیمی ذمہ داریوں کو بالائے طاق رکھ کر اچھے خاصے ہندی کے پرچارک بن بیٹھے ہیں۔ یہ بچوں کے سرپرستوں کے سامنے ایسی باتیں کرتے ہیں کہ لامحالہ وہ اردو سے نفرت کرنے لگتے ہیں، جاہل والدین اور سرپرست ایسے مدرسین کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ماسٹر صاحب ہمارے بچے کے حق میں بھلائی کر رہے ہیں۔ خدا خدا کر کے داخلہ اور اردو کی تعلیم کے مراحل طے ہو گئے تو پھر کتابوں کی فراہمی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اسکول میں صرف بیسک ریڈریں ہی نہیں پڑھائی جاتیں۔ بلکہ دوسرے بہت سے مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ اب تک صرف بیسک ریڈر ہی طبع ہو سکی ہیں، وہ بھی عام طور سے بازاروں میں نہیں مل رہی ہیں۔ کتابوں کی فراہمی کا مسئلہ مقدم سمجھنا چاہئے۔ ورنہ ساری محنت پر پانی پھر جائے گا۔

انجمن ترقی اردو اتر پردیش نے امسال باقاعدہ طور پر اسکولی مہم کا آغاز کر کے وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ یہی وقت ہے کہ حامیان اردو اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے اس مہم کی کامیابی کے لئے جدوجہد کریں۔ "اسکولی مہم" کے ساتھ میرے خیال میں مرکزی انجمن کو ایسے اقدامات کرنے چاہئیں جن کے بعد اردو کا مسئلہ لازمی طور پر حل ہو جائے مثلاً صدر جمہوریہ سے بار بار وفد ملے جائے اور اپنی مشکلات ان کے سامنے پیش کرے۔ محضر نامہ پیش کرنے کے بعد ہمارا کوئی وفد موصوف سے نہیں ملا۔ ایسی صورت میں جبکہ انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہمیں بار بار اپنے مطالبات کا اعادہ کرنا چاہئے۔ اردو کا مسئلہ ایسا مسئلہ ہرگز نہیں ہے جسے اس طرح ٹال دیا جائے۔ یہ وقت کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ ہندوستان کے مشترک کلچر کی بقا کا سوال ہے اور اس کو پس پشت ڈال دینے کے بعد حکومت وقت کی جمہوریت پسندی بے معنی سی چیز ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہمیں اس طرز عمل کے خلاف موثر جدوجہد کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔

اگر ہماری کوششوں سے مرکزی حکومت کی پالیسی بدل جائے تو یوں سمجھنا چاہئے کہ منزل قریب آگئی ہے۔ مانا کہ حکومت کی امداد و اعانت اردو کی زندگی کا سبب نہیں بن سکتی۔ لیکن اس کی پالیسی میں تبدیلی پیدا ہونے کے بعد سرکاری افسروں کی ذہنیت ضرور بدل سکتی ہے اور ان کی اردو دشمنی بھی کسی حد تک کم ہو سکتی ہے صوبائی حکومت نے اردو کے معاملہ کو جس طرح کھٹائی میں ڈال رکھا ہے اس کی مثال شاید ہی کہیں مل سکتی ہے۔ ایک ہاتھ سے دے کر دوسرے ہاتھ سے لینا اسی کو کہتے ہیں۔ ایک طرف آرڈر اور سرکلر کی بھرمار ہے تو دوسری طرف مکمل سکوت۔ آج بھی بہت سے اسکولوں میں وہ سرکلر جو ہائی اسکولوں میں اردو کے اجرا کے لئے جاری ہوا تھا دبا پڑا ہے۔ بیشتر ہائی اسکولوں میں قصداً اس ڈھنگ سے ٹائم ٹیبل تیار کیا جاتا ہے کہ اردو کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ مقامی سٹی ہائر سکنڈری اسکول میں اردو رائج کرانے کے لئے ایک ہفتے سے کوشاں ہوں گزشتہ سال بھی کوشش کی تھی لیکن اب تک کامیابی نہ حاصل ہو سکی باوجودیکہ حکومت کی طرف سے اختیاری مضامین میں اردو کو تسلیم کیا گیا ہے اور طلبا کو اجازت ہے کہ وہ اردو اختیاری مضمون کے طور پر لے سکتے ہیں۔

میرے خیال میں ایک بار پھر حکومت سے انجمن کے وفد کو ملاقات کرنی چاہئے اور پوری طاقت کے ساتھ اپنے مطالبات پیش کرنے چاہئیں، میں سمجھتا ہوں کہ جب تک مرکزی حکومت کی پالیسی میں نمایاں تبدیلی نہیں ہو گی۔ موجودہ مشکلات کا سدباب ناممکن ہے۔

شہر کے متعدد اسکولوں میں اردو رائج کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ محلہ گورا بازار کے ۳۰ طلباء کے سرپرستوں نے درخواستیں دی ہیں۔ ابھی سپرنٹنڈنٹ تعلیمات نے آرڈر نہیں دیا ہے۔ سٹی ہائی اسکول کے درجہ ششم کے طلبا کو اردو بطور اختیاری مضمون کے

لینے کے لئے آمادہ کیا جاچکا ہے۔ مقامی گرلز اسکول کی طالبات نے بھی اردو کے لئے درخواستیں دی ہیں، لیکن پرنسپل صاحبہ اردو دشمنی کے خبط میں سرکاری سرکلر سے ہی انکار کر بیٹھی ہیں۔ امید ہے کہ طالبات کی مستقل اور جذبۂ صادق کے آگے ہیڈ مسٹرس کو گھٹنے ٹیکنے پڑیں گے۔

یہ ہے مختصر روداد غازی پور میں اردو کی تحریک کی۔ انجمن کے زیر اہتمام اکتوبر میں "اردو ہفتہ" منایا گیا تھا۔ اس کے بعد ہی سے اردو کی تحریک زور پکڑ گئی ہے۔

محمد عزیز الحسن صدیقی
(سکریٹری انجمن ترقی اردو غازی پور)

مرکزی انجمن کا اپنا مطبع

مکرمی جناب قائم مقام جنرل سکریٹری صاحب۔ انجمن ترقی اردو (ہند)

السلام علیکم۔ اخبار ہماری زبان یکم جون ۵۸ء میں انجمن کی مطبوعات کی کتابت، اشاعت وغیرہ کی دشواریوں کا جو خاکہ کیا گیا تھا اس کے پڑھنے کے بعد اردو کے خادم ہونے کی وجہ سے مجھ پر اثر ہوا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ محبان اردو کو ایسے عملی ذرائع اختیار کرنے چاہئیں کہ جلد مرکزی انجمن اپنا پریس قائم کر سکے۔ چنانچہ میں نے قاضی عبدالغفار صاحب کے نام ایک خط لکھا تھا کہ مرکزی انجمن کی جانب سے اپیل اور اشاریہ طبع کر کے مختلف مقامات پر روانہ فرمائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب موصوف خرابی صحت کی وجہ سے اس جانب توجہ نہ فرما سکے۔ اس لئے اس اہم کام کی جانب جناب کو توجہ دلائی ہے امید کہ آپ کو اس سے اتفاق ہوگا۔ اگر علاحدہ اپیل اور اشاریہ طبع کر کے ذیلی انجمنوں کے یہاں روانہ کرنے میں دقتیں ہوں تو مرکزی انجمن میں علاحدہ پریس فنڈ کھولا جائے۔ اور وقتاً فوقتاً جو اصحاب چندہ روانہ فرمائیں ان کے نام اخبار ہماری زبان میں شائع کر کے توجہ دلائی جاتی رہے تو انشاءاللہ تعالیٰ معیاری پریس جلد قائم ہو سکتا ہے۔ ہمیں ناامید ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ محبان اردو کی تعداد کافی ہے۔ فنڈ شروع کرنے کے لئے میں دس روپیہ روانہ کر چکا ہوں ملاحظہ ہو۔ رسید نمبر ۱۲۹۰۴۔ ۱۰ جنوری ۵۹ء

جناب اس سے واقف ہیں کہ حیدرآباد دکن میں اردو ہال تعمیر کیا جارہا ہے چند اصحاب کی کوشش سے اس وقت تک ۲۰ ہزار روپیہ جمع اور مزید رقوم جمع ہونے کی توقع ہے تو کیا مرکزی انجمن ترقی اردو ہند تمام ہندستان کے اردو کے حامیوں سے چندہ کر کے پریس قائم نہیں کرسکتی؟ اگر ہم اس قدر ناامید اور پست ہمت ہوجائیں کہ اردو پریس فنڈ کے لئے تحریک کرنے میں بھی پس و پیش کریں تو اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے راستہ میں جو رکاوٹیں پیدا کی جارہی ہیں ان کو کس طرح دور اور مشکلات کا مقابلہ کر سکیں گے اردو کی ترقی و بقا کے لئے حکومت سے انجمن ترقی اردو ہند کے جو مطالبات ہیں اور ان کے منوانے کے لئے جو سعی کی جارہی ہے وہ تو اپنی جگہ پر ٹھیک ہے۔ لیکن حکومت سے بے نیاز ہو کر اس زبان میں زیادہ سے زیادہ اچھی کتابیں سہولت سے شائع اور حتی کم قیمت پر فروخت کرنے کے لئے پریس کی شدید ضرورت ہے۔

بشیر احمد
(خادم اردو و رکن انجمن ترقی اردو حیدرآباد)

اطلاع

اتر پردیش میں انجمن کی صوبائی کمیٹی قائم ہونے کے بعد اضلاع کی شاخوں کا کوئی تعلق مرکز سے باقی نہیں رہا اگر نئے قواعد کو جو انجمن کی مجلس عاملہ نے منظور کئے ہیں بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اب مرکزی دفتر اور اتر پردیش کی اضلاع کی شاخوں کا کوئی باضابطہ تعلق نہیں ہے۔ باوجود اس کے اضلاع کی شاخیں نئے قواعد کو دیکھو بھیجے جاچکے ہیں دیکھنے کے بجائے مرکزی دفتر کو ایسے امور کے متعلق خطوط لکھتی ہیں جن کا تعلق صوبائی کمیٹی سے ہے اور پھر شکوہ شکایات اور طعن و تشنیع سے اپنی ناواقفیت کا پردہ فاش کرتی ہیں۔ اچھی طرح سے سمجھ لیجئے کہ اتر پردیش میں اضلاع کی شاخوں کا کوئی تعلق اب مرکزی دفتر سے نہیں ہے اور اس قسم کے خطوط کا کوئی جواب نہیں دیا جائے گا سوائے اسکے کہ خطوط کو صوبائی کمیٹی کے دفتر کو بھیج دیا جائے۔ ذرا سی بے پروائی اور ناواقفیت کی وجہ سے بلاوجہ مرکزی دفتر پر خط و کتابت کا بار پڑتا ہے انجمن نے جس وقت صوبائی کمیٹی قائم کی تھی تو یہ طے کر لیا تھا کہ صوبائی کمیٹی پوری آزادی سے اتر پردیش میں نئی تنظیم کے ساتھ کام کرے اور اپنے کام کے نتائج چند روز کے بعد مرکزی انجمن کے سامنے پیش کرے۔ مرکزی دفتر صوبائی کمیٹی کے کام پر نظر رکھتا ہے لیکن وہ صوبائی کمیٹی کے مقررہ حلقہ اقتدار میں کوئی مداخلت نہیں کرنا چاہتا۔

انجمن کی خبریں

رائے بریلی

رائے بریلی ۲۳ جولائی۔ شاخ انجمن ترقی اردو رائے بریلی کی جانب سے ایک جلسہ اشفاق احمد صاحب وکیل کے مکان پر زیر صدارت بابو ہریش چند ضیا وکیل منعقد ہوا۔ جس میں ماسٹر محمد وصی صدیقی سفیر انجمن ترقی اردو اتر پردیش نے اسکولی مہم کے سلسلے میں بیگم سلطانہ حیات کے اس پیغام کو جس میں چار لاکھ اردو طلبا کے داخلہ پر زور دیا گیا ہے پڑھ کر سنایا۔ جس کا حاضرین پر بہت اچھا اثر ہوا

انجمن ترقی اردو کے اراکین سے درخواست کی گئی کہ وہ اس مہم میں حصہ لیں۔ اس جلسہ میں شہر کے ممتاز اشخاص موجود تھے۔ جن میں بابو ہریش چند ضیا۔ بابو کامتا ناتھ ایڈوکیٹ۔ سید مظاہر حسین ارشاد حسین وکیل۔ کالکا پرشاد۔ سکریٹری کمیونسٹ پارٹی چرن سرن ناز۔ شیخ اشفاق احمد وکیل۔ قابل ذکر ہیں۔

جلسہ میں اشفاق احمد صاحب نے ایک تجویز پیش کی کہ میونسپل بورڈ ڈسٹرکٹ اور ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولس سے استدعا کی جائے کہ وہ اپنے دفتروں کو سپرنٹنڈنٹ آف ایجوکیشن۔ ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول کو ہدایت کریں کہ گورنمنٹ سرکلر مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۳ء تمام پرائمری اور جونیر ہائی اسکول، سکنڈری اسکول اور گرلس اسکول کو اطلاع کے لئے بھیجا جائے کہ تمام ایسے بچوں کو جنھوں نے اپنی مادری زبان اردو لکھائی ہے۔ انھیں تمام وہ رعایتیں دی جائیں جس سے کہ وہ اردو پڑھ سکیں یا اردو کے ذریعے دوسرے مضامین پڑھ سکیں جلسہ میں یہ تجویز منظور ہو گئی۔ کہا گیا کہ اس تجویز کی ایک نقل ڈائرکٹر آف ایجوکیشن یوپی۔ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولس رائے بریلی میونسپل بورڈ اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیرمینوں کے پاس بھیج دی جائے۔

سید ارشاد حسین صاحب وکیل نے ایک تجویز پیش کی کہ اردو کی ترقی چاہنے والے لوگوں سے ایک ایسی فہرست بنوائی جائے جس میں ان طلبا کے نام ہوں جو کہ اردو سیکھنا چاہتے ہیں یا اردو کے ذریعہ تعلیم پانا چاہتے ہیں اور یہ فہرست سکریٹری انجمن ترقی اردو کے پاس بھیج دی جائے۔

چرن سرن ناز سکریٹری شاخ انجمن ترقی اردو رائے بریلی نے تیسری تجویز پیش کی کہ جونیر اسکول کے نصاب میں درجہ ششم سے تین قومی زبانوں میں سے ایک زبان کو لینے کا حق حکومت نے دیا ہے تو جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے اس کو غیر ملکی زبان کے ساتھ اختیاری مضمون نہ قرار دیا جائے بلکہ اسے مادری زبان کا درجہ دیا جائے۔

ہریش چند ضیا صاحب نے ایک تجویز پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ جلسہ اتر پردیش کی حکومت سے اپیل کرتا ہے کہ وہ تمام کورٹ اور دفتروں کے احکام کو ہدایت کرے کہ اردو رسم الخط کے بارے میں جیسا کہ وزیر اعلیٰ نے بھی اپنی تقریر میں بیان کیا ہے اور گورنمنٹ کی پالیسی کے مطابق اردو کی ہمت افزائی کریں۔ صدر جلسہ نے ایک اپیل اخبار "امر اردو" لکھنو کی توسیع و اشاعت کے لئے جلسہ میں کی۔

اختتام جلسہ پر ایک تقریر ماسٹر محمد وصی صدیقی نے اردو مہم کی کامیابی پر کی جس میں انھوں نے بتایا کہ اب رائے بریلی میں اردو مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کی تعداد ۷۰۰ ہو گئی ہے اور امید ہے کہ کم از کم یہ تعداد ایک ہزار تک پہنچ جائے گی۔ مسٹر صدیقی نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ اردو کو کامیاب بنانے کے لئے عملی جد و جہد کریں۔

بھوج پور جدید

راشد الحسینی صاحب سکریٹری بزم ادب لکھتے ہیں کہ:۔

دفتر بزم ادب بھوج پور جدید (بہار) ۲۲ جولائی ۱۹۵۳ء کی شب میں ادبی خصوصی نشست ہوئی جس میں متفکرین حضرات نے حصہ لیکر موجودہ اردو کے چھڑے ہوئے مسائل پر اہم گفتگو کی جس میں مولانا حامد الحسینی صاحب نے ایک مبسوط اور جامع تقریر کی اور بتلایا کہ یہ وہ اردو زبان ہے کہ ہمہ گیر کے ساتھ عالمگیر ہے جو ہندوپاک کے علاوہ بخارا، قندھار، بدخشاں، بلخ، ایلچی، فرغانہ کابل، باجوڑ، صوات، سمرقند، عراق، تمام ممالک کے اندر بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

اردو کے لئے نہایت ابتلا اور آزمائش کا زمانہ ہے لیکن اس کا مستقبل کبھی بھی تاریک نہیں بلکہ ہر دور میں پھلی پھولی ہے۔

مولانا موصوف نے بتلایا کہ موجودہ رفتار زمانہ پر قانع رہنا اور اردو کی سرگرمیوں کی طرف سے غفلت برتنی قریب دانشں

ہیں۔ وقت کے اہم ترین ضرورت کے پیش نظر ایسے حلقے قائم کئے جائیں جو اس کے تعاون کے لئے مبارک حلقہ ثابت ہوسکے۔ اس موقع پر انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کی زریں خدمات کو بھلایا نہیں جاسکتا جو اپنے کارنامے کے اعتبار سے قابل ستائش ہیں اور وقت کا میں صحیح پیشرو سمجھتا ہوں اس کی دعوت پر لبیک کہیں جو اس کے حلقے میں داخل ہوکر دوسروں کو بھی مبارک حلقہ میں شامل کرنے کی مخلصانہ سعی شروع کردیں۔

کان پور

عبدالعزیز انصاری صاحب ایم۔ اے لکچرار حلیم کالج۔ سکریٹری انجمن ترقی اردو تحریر فرماتے ہیں کہ انجمن ترقی اردو شاخ کان پور کا سالانہ جلسہ عام محمد احمد رضوی صاحب پرنسپل حلیم کالج کی صدارت میں ہوا۔ اور موصوف کی اس تجویز کو بڑی آمادگی اور مسرت کے ساتھ منظور کیا گیا کہ اکتوبر کے آخر میں منشی دیا نرائن نگم و مولانا حسرت موہانی کی یاد میں ایک آل انڈیا مشاعرہ و کانفرنس کا انعقاد کیا جائے اس کے حسب ذیل عہدیداران و ممبران انتظامیہ کمیٹی کا انتخاب عمل میں آیا۔

جناب برج پورنا نند۔ ایم۔ ایل۔ اے صدر

پرنسپل محمد احمد رضوی۔ بال کرشن باترا ایڈوکیٹ۔ جاگیشور دیال نشتر گورنمنٹ ایڈوکیٹ۔ بابو محمد یعقوب۔ نائبین صدر

عبدالعزیز انصاری، ایم۔ اے لکچرر حلیم کالج۔ سکریٹری

خلیل اللہ وکیل۔ دوارکا پرشاد نگم، وکیل۔ جوائنٹ سکریٹریان۔

خواجہ عبدالسلام ایڈیٹر صداقت۔ خازن

(۱) کرشن سہائے وحشی (۲) حاجی محمد صمیع (۳) عبدالحئی تاجر (۴) راؤ عبدالسمیع خاں (۵) قاضی مختار احمد (۶) ثاقب کان پوری (۷) حشمت اللہ ڈیڑھ رہبرو نشور واحدی (۹) لیاقت حسین بھارتی (۱۰) حکیم آل حسن (۱۱) حافظ حمید احمد (۱۲) افسر نارودی ممبران مجلس انتظامیہ۔

انتخاب کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد انجمن کے نئے صدر جناب برج پورنا نند صاحب نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "اردو ایک پائدار زبان ہے۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ اردو مٹ جائے گی وہ پاگل پن کی بات سوچتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ آج اردو کی تحریک کو علیحدہ پسندی کے تصور میں الجھا دیا جاتا ہے جس سے محبان اردو کے کاموں میں مشکلات پیش آجاتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم انجمن ترقی اردو کے کاموں کو اس طرح نمایاں کریں کہ علیحدہ پسندی کی جڑیں کھوکھلی ہوجائیں۔ تاکہ زیادہ حلقہ بھی اردو کے ساتھ محبت و ہمدردی کرنے لگے جو علیحدہ پسندی کے رجحانات سے بدظن و ہراساں ہے۔

میں ہندی زبان کا سچا خادم ہوں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اردو کی خدمت میں بھی آپ مجھے کسی سے پیچھے نہ پائیں گے جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے روزمرہ کے مشاغل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اردو کے لئے میرے دل میں کتنی جگہ ہے۔ اور اب جبکہ آپ صاحبان نے انجمن کے صدر کی حیثیت سے اہم ذمہ داریاں سپرد کردی ہیں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اب اردو کے لئے ٹھوس اور بنیادی کام کیا جائے۔

ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ اردو کی خدمت کے سلسلے میں علیحدہ پسندی کو رد کریں اور باہمی اتحاد کے جذبہ کو فروغ دیں۔ دوسرا فرض یہ ہے کہ حکومت نے اردو کو جو مراعات دے رکھی ہیں ان مراعات سے استفادہ کریں۔ تیسرا فرض یہ ہے کہ اردو زبان کے اصلاحی و ارتقائی تصورات کی اس طرح نشوونما کریں کہ بین الاقوامی ملکی یا صوبائی۔ لسانی دوڑ میں پیچھے نہ رہیں اور ہمارے اردو کے مصنفین اچھی تالیف و تصنیف پر مستحق انعامات بنیں۔

آپ نے مشورہ دیا کہ انجمن ترقی اردو شاخ کان پور کی طرف سے ایک ایسا کتابچہ شائع کیا جائے جس میں کان پور کے شعراء اور مصنفین و ادباء کا مکمل تذکرہ ہو۔ اس تجویز کو جملہ ممبران نے بخوشی منظور کیا اور اس کام کے لئے ایک سب کمیٹی بنادی گئی۔

کرنول

ناصر صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو لکھتے ہیں کہ:۔

یہاں حکومت یا عوام کی طرف سے اردو پڑھنے کی کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ایک گورنمنٹ مسلم ہائی اسکول اور ایک حکومت سے منظور شدہ یعنی نیم سرکاری ہائی اسکول کامیابی سے چل رہا ہے جس کا نام عمر ہائی اسکول ہے۔ ان دونوں میں اردو ذریعہ تعلیم ہے۔ ایک گرلس مسلم ہائی اسکول بھی حکومت کی جانب سے قائم ہے۔ وہاں بھی اردو ذریعہ تعلیم ہے۔ میونسپلٹی کی جانب سے قائم ہے۔ وہاں بھی اردو ذریعہ تعلیم ہے میونسپلٹی کی جانب سے شہر میں دو دارالمطالعہ قائم ہیں۔ دونوں میں اردو رسائل و اخبارات خاص طور پر منگائے جاتے ہیں۔ چیف منسٹر پال ریڈی نے بھی اردو زبان کی بقا اور ترقی کے لئے حوصلہ افزا بیانات دئے ہیں۔ ابھی تک ان طلبا کے لئے جن کا ذریعہ تعلیم اردو رہا ہے سروس کمیشن امتحانات میں شریک ہونے کی اسی قدر سہولت حاصل ہے جس قدر کہ ریاستی زبان جاننے والوں کے لئے ہے اس صورت حال کے پیش نظر ہم آندھرا میں اردو زبان کی ترقی سے متعلق مایوس نہیں ہیں۔ البتہ ہمدرد اور سرگرم کارکنوں سے محرومی کی وجہ سے متاسف ضرور ہیں۔

تبصرے

(جس کتاب کی دو جلدیں تبصرے کے لئے وصول نہیں ہوں گی افسوس ہے کہ اس کتاب پر تبصرہ شائع نہیں ہوگا)

برگ سبز

مصنف:۔ ابو مسلم صحافی۔ ناشر حلقۂ ارباب فکر کراچی۔ قیمت ایک روپیہ بارہ آنے

ابو مسلم صحافی کا نام شاعر کی حیثیت سے زیادہ معروف نہیں، دو ڈھائی سال پہلے انھوں نے کراچی سے "مشرب" نام کا رسالہ نکالا تو اسی رسالے میں ان کا کلام شائع ہونا شروع ہوا۔ "برگ سبز" کے نام سے انھوں نے اپنے کلام کا پہلا مجموعہ شائع کیا ہے۔ جس میں ان کی غزلیں، نظمیں، رباعیاں اور فارسی کلام بھی ہے۔ صحافی صاحب شکل و صورت سے کسی مسجد کے امام معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے اشعار میں رنگینی اور سرمستی ملتی ہے۔

حور و جناں کی بات تو سنتے رہیں گے عمر بھر
تیرا جس میں ذکر ہو ایسی خبر کو کیا کریں

ہاں درد محبت کا مداوا نہیں ممکن ✽ ناصح نے جو بھی مری تعبیر دکھائی تھی
بادہ پرست ہوں میں، میخوار ہوں پرانا ✽ رندی پہ میری لیکن صدقے ہے پارسائی

ہاں اس کی نظر کے شعلوں تم ابھی اسی کوشش کر دیکھو
شاید وہ تمھیں پہ مائل ہو اپنا تو اسے کچھ پاس نہیں

مستوں کا کیا بھروسہ مت بھول ان پہ ساقی
جو دیکھنے میں آئیں میخوار سے بیچے

صحافی صاحب کا کلام رواں اور صاف ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عرصے سے مشق سخن کر رہے ہیں۔ بعض اشعار وزن سے خارج معلوم ہوتے ہیں جس کی وجہ کتابت کی غلطی ہو سکتی ہے۔

میں وفاکیش نہیں کیوں ہو مجھ کو یہ خیال
میری الفت کا مجھے ایسا تو انعام نہ دے

انقلابات زمانہ سہی ناصح لیکن ✽ یہ مسرت نہ تھی دل میں الم سے پہلے

کلیات نظیر اکبر آبادی

قیمت سترہ روپے

ملنے کا پتہ:۔ راجہ رام کمار بک ڈپو۔ وارث منشی نول کشور بک ڈپو لکھنو۔

نول کشور پریس جو اردو عربی اور فارسی کتابوں کی قدیم اشاعت گاہ ہے اور جس کی خدمتیں بے شمار ہیں۔ اس پر آشوب دور میں بھی اپنے نئے وارث راجہ رام کمار صاحب کی نگرانی میں علمی، ادبی اور مذہبی کتابوں کی اشاعت کا کام بڑے عزم اور استقلال کے ساتھ کر رہا ہے۔

پیش نظر کلیات نظیر" تیسرا اڈیشن ہے جو اس پریس نے شائع کیا ہے۔ ضخامت ۹۰۰ صفحات اور سائز بیضوی ہے۔

اس کی ترتیب اور تصحیح مولانا عبدالباری آسی مرحوم اور مولوی اشرف علی لکھنوی نے کی ہے اور نظیر کی بہت سی نایاب اور غیر مطبوعہ غزلیں اور ان کا فارسی کلام اس میں شامل کیا گیا ہے اور کئی مطبوعہ اور قلمی نسخوں سے مقابلہ کر کے یہ مجموعہ شائع کیا گیا ہے۔

کلیات میں میاں نظیر کی تصویر نہیں ہے۔ جس کی کمی کھٹکتی ہے۔ شبیہ نظیر دیوان نظیر مرتبہ مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی شائع کردہ انجمن ترقی اردو ہند میں موجود ہے اور مستند ہے۔

گئودان

منشی پریم چند مرحوم کا وہ ناول ہے جس میں ان کا فنی ارتقا اپنے کمال پر پہونچ گیا ہے اور صداقت جو ناول کے کرداروں کا خاصۂ اصلی ہے "دھنیا" کے کردار میں نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منشی جی اپنے اس ناول میں "مبلغ" کے بجائے "فن کار" دکھائی دیتے ہیں۔ اور ان کی حیثیت راہ نما کی حیثیت بن گئی ہے جو بہت کم ناول نگاروں کے حصے میں آتی ہے۔ منشی جی سے پہلے کے ناول نگاروں نے سماجی مسائل کی اصلاح کی طرف بہت کم توجہ کی تھی حالانکہ ناول کا مقصد زندگی کی تصویر کو اس کے صحیح خد و خال کے ساتھ پیش کر کے اس کی اصلاح اور تربیت کرنی ہے۔ نہ کہ تبلیغ، وعظ اور تلقین۔

گئودان اس لحاظ سے منشی پریم چند کے تمام ناولوں میں اپنی سطح بلند رکھتا ہے۔ اور ان کے قلم نے سماجی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلے کو سامنے رکھ کر اصلاحی رنگ ..... اختیار کیا ہے۔ اور یہی فن کار کے قلم کی دیانت ہے۔ جو اس کو حیات جاوید عطا کرتی ہے۔ پریم چند ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ انھوں نے اپنے ناولوں اور افسانوں کے ذریعے ملک اور قوم کی اہم خدمتیں انجام دی ہیں۔

گئودان دوسری بار شائع ہوا ہے۔ جس کی ضخامت ۴۹۰ صفحات ہے اور چھ روپے میں مکتبہ جامعہ دہلی سے مل سکتا ہے

انجمن کی نئی کتابیں

ہندوستانی سماجیات

اس کتاب میں "ہندوستانی سماج کی سرگزشت" بیان کی گئی ہے اور سماج سدھار کے مسائل پر تنقیدی تشریح کے ساتھ ساتھ اس کی ضرورت، اہمیت اور افادیت پر بھی بحث کی گئی ہے۔

اس کتاب کے مرتب ڈاکٹر جعفر حسین پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ہیں جو عمرانیات کے عالم اور اس موضوع پر لکھنے والوں میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ کتاب کی افادیت مسلم ہے۔ (قیمت مجلد چار روپے آٹھ آنے)

سیاسیات کے اصول

اردو زبان میں ایک مستند تالیف ہے جو اس موضوع کے ممتاز ماہر پروفیسر ہارون خاں صاحب شروانی نے مرتب کی ہے جو تین حصوں میں منقسم ہے۔

پہلے حصے میں راج یا مملکت کے متعلق نظریات اور دوسرے میں حکومت کے اجزائے ترکیبی پر بحث کی گئی ہے اور دنیا کے مختلف دستوروں، خصوصاً اپنے ملک کے نئے جمہوری دستور سے مثالیں دے کر حکومت کے مختلف حصوں کو واضح کیا گیا ہے تیسرے حصے میں بین الملکات کے اصول کی تاریخ اور اس کے موزوں روپ پر نظر ڈالی گئی ہے۔

یہ کتاب ایک بڑی کمی کو پورا کرتی ہے اور عام پڑھنے والوں اور طلبا دونوں کے لئے بہت مفید ہے۔

حصہ اول دو روپے۔ حصہ دوم دو روپے۔ حصہ سوم ایک روپیہ آٹھ آنے

احوال غالب

غالبیات کے اس سلسلے کی پہلی کتاب ہے جو انجمن شائع کرنا چاہتی ہے۔ ملک میں اصحاب ذوق اور اہل نظر نے اس کتاب کا بہت پرجوش خیر مقدم کیا ہے۔ فاضل مولف غالبیات پر بہت وسیع نظر رکھتے ہیں اور اس موضوع کے مسلمہ ماہرین میں سے ہیں جس محنت اور وسعت نظر کے ساتھ یہ کتاب مرتب کی گئی ہے اس کا اعتراف ملک کے بہترین اہل علم اور ادیبوں نے کیا ہے۔ (قیمت نو روپے فی جلد)

اردو ادب کی تاریخ

ہندی زبان میں اردو ادب کی یہ تاریخ سید احتشام حسین صاحب رضوی نے مرتب کی ہے جو ہندی جاننے والوں کے لئے بہت مفید ہے اور اس کے مطالعے سے ان غلط فہمیوں کا خودبخود ازالہ ہو جاتا ہے جو اردو زبان اور اس کے ادب سے متعلق پھیلائی گئی ہیں۔

(قیمت مجلد سات روپے آٹھ آنے)

میر تقی میر

ملک کے بہترین ادیب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ میر کے متعلق ڈاکٹر فاروقی کا مطالعہ بہت گہرا اور وسیع ہے اور اس کے دیکھتے ہی سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ آج تک میر کی سوانح اور کلام کے متعلق اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی۔

اس کتاب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ فاضل مولف نے میر کے زمانے کے تاریخی حالات کو ان کی پوری زندگی اور شاعری کا پس منظر بنایا ہے۔ اور اس طرح ایک تاریخی فریم میں میر کی سیرت کا عکس پیش کیا ہے۔ ابھی تک اردو ادب میں بہت کم ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں تاریخی پس منظر کے ذریعے سے سیرت اور کردار کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ انجمن اس بات کو اپنا ایک کارنامہ سمجھتی ہے کہ اس نے ڈاکٹر فاروقی سے ایک ایسی اچھی کتاب لکھوائی جس نے تاریخ ادب کے مطالعے کا ایک نیا راستہ پیدا کر دیا۔

(قیمت بارہ روپے فی جلد)

ادبی قومی تذکرے

پنڈت کشن پرشاد کول کے مضامین کا دوسرا مجموعہ ہے جس میں ۱۱ ادبی مضامین ہیں جن کا مطالعہ اردو ادب اور اس کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے نہ صرف مفید ہے بلکہ ان کی معلومات میں اضافہ کا بھی سبب ہوگا۔

(قیمت مجلد تین روپے)

پرنٹر پبلشر قاضی عبد الغفار نے نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپوا کر مرکزی انجمن علی گڑھ سے شائع کیا۔